

# اقبال کے فلسفہ خیر و شر پر ایک لمحہ تفکر

ڈاکٹر فضل الرحمن

{ مرکزی مجلس اقبال لاہور کے زیر اہتمام 'یوم اقبال' کی تقریب پر منعقدہ اجلاس کی تقریر }

میں نے پچھلے سال اس موقع پر اقبال کے فلسفہ حقیقت اور اس فلسفہ کے اسلامی اور قرآنی ہونے کے متعلق ایک مختصر گفتگو کی تھی۔ اب میں آپ کے سامنے اس فلسفہ کے ایک اہم اور بنیادی پہلو کو ذرا تفصیلی جائزے کے لئے لوں گا جس کا براہ راست تعلق ہماری قومی زندگی سے ہے۔ اور پہلے اس کو سمجھنے کے لئے اس کی تصوراتی تحلیل کروں گا۔ پھر اس کو آپ کے سامنے قرآن کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کروں گا تاکہ یہ بالکل واضح ہو جائے کہ اقبال کے فلسفہ کا ہر گوشہ چاہے وہ بظاہر کتنا ہی محض جدید نظریات کے سیاق و سباق کی پیداوار نظر آئے اپنے رنگ و ریشے تک اسلامی ہوتا ہے۔

پچھلے سال ہم نے دیکھا تھا کہ اقبال کے نزدیک حقیقت کی سب سے بنیادی خصوصیت اس کا مسلسل پھیلاؤ ہے۔ زندگی کا سب سے نمایاں پہلو اس کا لامتناہی طور پر بڑھنا، پھلنا اور پھولنا ہے۔ یہ نمونہ دائمی حرکت مقصد ریت خالی نہیں ہوتی بلکہ خود اس حرکت کے اندر مقصدیت جنم لیتی ہے۔ کہیں باہر سے اس حرکت پر چسپاں نہیں کی جاتی۔ آج ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ زندگی کی یہ بنیادی حرکت لگ بھگ نہیں بلکہ دروغاً اس تصادم کا نتیجہ ہوتی

ہے۔ یہ حرکتِ نمویسی آسانی سے آگے کی طرف نہیں بڑھ جاتی بلکہ ہر لمحہ اور ہر قدم پر اس کو معرکہ آزمانی کرنا پڑتی ہے۔ اس معرکہ آزمانی کی اصلی وجہ آج تک کوئی انسان نہ جان سکا اور غالباً نہ جان سکے گا۔ لیکن خود اس معرکہ کے وجود کے متعلق کسی کو شبہ نہیں۔ اگر مفکروں میں اختلاف اور تفاوت رہا ہے تو وہ اس کا راز ارحیات کی نوعیت کے متعلق رہا ہے کسی نے کہا کہ یہ کارزار خیر و شر اور معرکہ حق و باطل اگر نہ ہی ہوتا تو کیا بہتر تھا کتنے آرام سے زندگی گزرتی تیرے فی نفسہ ایک بری چیز ہے، لہذا ہماری زندگی کا اولین مقصد خود اس معرکہ و جدال سے نجات حاصل کرنا ہے۔ مشرقیوں میں بالعموم بدھ مت کے پیرو اور مغربیوں میں رواقی مذہب کے فلسفی اس مسلک کے پیرو معلوم ہوتے ہیں۔ ایک دو سمر اگر وہ کہتا ہے کہ اس جدال سے مفر نہیں یہ ایک شر ہے لیکن ایک ضروری شر ہے۔ لہذا جب تک زندہ ہیں اس سے چھٹکارا نہیں بہتر ہے ہے کہ زندگی سے خلاصی حاصل کی جائے یا اگر ممکن ہو تو زندگی میں موت اختیار کی جائے۔ ہندوؤں کا ایک گروہ کثیر اور مغربیوں میں کئی مفکر اس طرز فکر کے حامی نظر آتے ہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی — نفوذِ بائبل — اصل تعلیم بھی یہی تھی یعنی یہ کہ اس معرکہ حیات میں، اس کا راز خیر و شر میں اس بری دنیا کو چھوڑ کر ”آسانی باپ“ کی طرف جتنا جلدی رجوع کیا جائے اتنا بہتر ہے۔ اگر اس کا راز میں کوئی فتح نہ ہی کی صورت ہو سکتی ہے تو وہ صرف خدا ہی کر سکتا ہے۔ انسان تو اس میں بالکل بے بس ہے۔ اس کے عین برخلاف اقبال کے نزدیک زندگی کی رور کے پھیلاؤ کا سبب اسی مسلسل چیلنج اور معرکہ میں مغر ہے جس کو اخلاقی سطح پر کارزار خیر و شر کہتے ہیں بغیر اس مخالفت کے بغیر اس تصادم کے، ذرہ بھر آگے بڑھنا ممکن نہیں یہی وجہ ہے کہ پہلے تو اقبال زمانے کی ایسی تعریف کرتا ہے جس کی ہر آن نئی اور اس آن میں ہر شان نئی ہے۔ ہر لمحہ نئے نئے غیر متناہی امکانات ہمارے سامنے کھول دیتا ہے۔ اور ان امکانات میں سے ہم کسے اختیار کرتے ہیں اور بروئے کار لاتے ہیں یہ امتحان بھی ہمارے لئے ہر لمحہ نیا ہوتا ہے۔ اقبال نے زمانے پر اور اس کی قیمت پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس بارے میں اس کا شاہکار بال جبریل میں وہ مشہور نظم ہے جس کا نام مسجد قرطبہ ہے۔ اسے غور سے مطالعہ کرنا چاہئے۔

لیکن ان لامتناہی امکانات کی پیدائش اور بالخصوص ان کا بروئے کار آنا بغیر رزم خیر و شر کے ممکن نہیں اس کے بغیر زندگی خود گھٹ کر رہ جاتی ہے۔ اقبال کہتا ہے :-

میاں ابرم بر ساحل کہ آسجھا      فوائے زندگانی نرم خیز است  
بدریا غلط و باموجش در آدیز      حیات جاوداں اندر ستیز است

یہ اشعار ہمیں اساسی طور پر RISK یعنی ایک با مقصد خطرہ مول لینا اور شکر کا سامنا کرنا سکھاتے ہیں۔ اس دلیل سے یہ ثابت ہوا کہ نیکی یا اچھائی اس رویے کا نام ہرگز ہرگز نہیں جس میں شکر کا مقابلہ کرنے سے پہلو ہستی کی گنتی ہو یا جس میں ایک نام ہنہا دینکی کے نام پر زندگی کے مثبت امکانات کو یا ختم کر دیا جائے یا گھٹا کر رکھ دیا جائے جو شخص یا قوم نیکی یا تقویٰ کا ایسا منفی تصور پیدا کرے وہ اقبال کے نزدیک خدا اور اس کی خالقیت کی شاید سب سے بڑی جرم ہے۔ اور ہم ابھی دیکھیں گے کہ معاملے کی بعینہ یہی صورت قرآن کے نزدیک بھی ہے۔ جبریل والیس کے مکالمہ میں ابلیس جبریل کو کہتا ہے :-

میری جرات سے ہے مشت خاک میں ذوق نر.....

دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزم خیر و شمر

کون طوفان کے طاپنچے کھا رہا ہے، میں کہ تو؟

لیکن شاید آپ اقبال کے جبریل والیس کو ایک شاعر اور سیکولر (SECULAR) مفکر کی پرواز خیال سمجھیں تو آئیے ذرا ایک لمحہ قرآن کے اوراق الٹ کے دیکھیں۔ یہ وحی آسمانی نہیں اس مسئلہ کے متعلق کیا بتاتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب اللہ نے حضرت انسان کی تخلیق کا ارادہ کیا تو فرشتوں کا وفد خدا کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اے رب! تو ایسی مخلوق پیدا کر رہا ہے جو زمین پر نسا دھچکے گی۔ اور خونریزی کرے گی اور ہم تو تیری حمد کے گیت گاتے رہتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ یعنی تیرا ہر حکم بجالاتے ہیں پھر اس مخلوق کے پیدا کرنے کا کیا مطلب ہے؟ قال انی اعلم ما لا تعلمون۔ خدا نے فرمایا ”میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“ ذرا غور فرمائیے۔ خدا نے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا کہ انسان سے غلطیاں سرزد ہوں گی۔ یہ نہیں کہا کہ انسان فرشتوں سے بھی بڑھ کر پاک ہے۔ بلکہ یہ بات بھی تو ہمیں قرآن نے ہی بتائی کہ جب سے انسان پیدا ہوا تب سے ہی شیطان بھی پیدا ہوا۔ انسان سے پہلے شیطان بھی تو نہ تھا۔ یعنی جو ہستی شیطان بنی وہ تخلیق آدم سے پہلے شیطان نہ تھی کچھ اور تھی تو پھر آخر اس سارے ڈرامے کا راز کیا ہے؟ انسان کے پہلو پہ پہلو شیطان کا جنم لینا فرشتوں کا دربار باری میں اس نئی مخلوق کی تجویز پر احتجاج کرنا۔ اللہ کا اس بات سے انکار نہ کرنا کہ انسان سے غلطیاں سرزد ہوں گی لیکن اپنے لامتناہی علم کی بنیاد پر اس احتجاج کو ٹھکرا دینا اور اس مخلوق کا معرض وجود میں لے آنا۔ ان سب کا آخر کیا مطلب ہے؟

اس سوال کا جواب آپ کو قرآن کی اس آیت میں ملے گا جس میں خدا فرماتا ہے کہ ہم نے اپنی امانت زمینوں اور آسمانوں کو پیش کی لیکن انہوں نے اسے قبول کرنے کی جرأت نہ کی اور آخر انسان نے اسے قبول کر لیا۔ وہ امانت کیا ہے جس کی مناسب جگہ پیدا کرنے کے لئے جس کا مناسب محل بنانے کے لئے پیکر انسانی کی تعمیر کی جا رہی ہے اور اپنے فرشتوں کے مشورہ کو رد کیا جا رہا ہے ؟ وہ کیا ہو سکتا ہے سوائے اس قوت تخلیق کے جس کا اولین محل ذات باری ہے اور پھر اس کا براہ راست خلیفہ حضرت انسان۔ اگر انسان اس فریضے کو انجام دیتا ہے اور صالح تخلیقی عمل کرتا ہے۔ یعنی دائمی اقدار کے لئے عادی علمی اور روحانی مواد فراوانی کے ساتھ پیدا کرتا ہے۔ تو ان لامتناہی امکانات کو بروئے کار لاسکے گا جو خدا نے بطور امانت اس میں ودیعت کئے ہیں۔ ایسا شخص خدا کا بندہ اور ایسی قوم ”خیرا صۃ اخرجت للناس“ ہے خدا نے زندگی کی رو کے اس بے پناہ پھیلاؤ کے لئے سب سامان مہیا کر دیا ہے۔ انسان کی تخلیقی قوت اس کے لامتناہی امکانات اس کا اختیار اور ان سب کی اولین شرط یعنی معرکہ خیز دفتر۔ اب آپ خود فیصلہ کریں کہ کیا اقبال کا فلسفہ شرعیں قرآنی نہیں ؟ اگر آپ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا مطالعہ فرمائیں گے تو آپ کو وہاں بھی بالکل یہی نظریہ ملے گا اس سلسلہ میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ مجدد صاحب اور اقبال دونوں نے منصب نبوت اور بالخصوص رسالت اب محمد رسول اللہ صلعم کے اس دنیا کی طرف مثبت رویے کو انسانی ہدایت کے پروگرام میں بالکل مرکزی حیثیت دی ہے۔ اور رسول کریم ص کی تعلیمات کو اس منفی نیگی اور تقویٰ سے بالکل اور قطعاً جدا کیا ہے جس کے نزدیک گناہ کے خوف کے تحت اور گناہ کے ظنی ارتکاب سے بچنے کے لئے مثبت انسانی ترقی کے امکانات کو حتم کرنا بہتر تصور کیا جاتا ہے۔ دراصل اس آخری موقف کا منطقی نتیجہ تو خود کشی ہونا چاہئے کیونکہ موت طاری کر کے تو انسان یقینی طور پر برہی کے مظنہ سے بچ سکتا ہے۔ لیکن یہ نظریہ اقبال اور قرآن دونوں کی ضد ہے۔